ہوتے اور آپس ہی میں دست و گریبان رہتے ہیں۔

(۱۶) خوش فہمی و خود فریبی میں مبتلا ہو کر خواب و خیال کی دنیا میں مگن رہتے ہیں اور بصیرت نفس ختم ہو جاتی ہے۔ وغیرہ۔[1]

ذیل میں چند تاریخی شہادتیں ذکر کی جاتی ہیں جو مذکورہ بیان کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔ لیبکی نے رومن قوم کا یہ حال بیان کیا ہے:۔

نشاۃِ ثانیہ سے پہلے یورپ کی مذہبی حالت

"رومن قوم اس وقت (نشاۃِ ثانیہ سے پہلے) انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھا رہی تھی بلکہ بعض شہروں میں جن میں کثیر التعداد زہّاد و راہبین پیدا ہوئے تھے وہ وہی تھے جن میں عیش پرستی اور بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی .... غرض بدکاری اور توہم پرستی کا اجتماع ہو گیا تھا جو انسان کی شرافت و عظمت کا قطعی دشمن ہے۔ رائے جمہور اس قدر ضعیف ہو گئی تھی کہ لوگوں کو رسوائی اور بدنامی کا مطلق خوف نہیں باقی رہا تھا البتہ "ضمیر" کو مذہب کا دھڑکا ہو سکتا تھا لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹا دیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ مکاری اور دغابازی کی وہ گرم بازاری تھی جو "قیاصرہ" کے زمانہ میں بھی نہ تھی"[2]

مذہب دنیا طلبی و ہوس رانی کا ذریعہ بن گیا تھا

مذہب ذریعۂ معاش و مفاد بن کر دنیا طلبی و ہوس رانی کا ذریعہ بن گیا تھا۔ چنانچہ:۔

"بہت سے لوگ محض اس بنا پر راہبوں میں شامل ہوتے تھے کہ محنت و مزدوری کے بغیر یہاں مفت کی روٹی ملتی تھی اور گرجا کے بہت سے خادم ایسے تھے جو مخصوص ملکی ذمہ داریوں اور کام سے بچنے کی غرض سے انھوں نے یہ طریقِ زندگی اختیار کیا تھا۔"[3]

مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے

مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اور ہر گروہ چند فروعی و فرسودہ مسائل (جن کا زندگی کے حقائق سے کوئی تعلق نہ تھا) ہی کی موشگافیوں کو مدارِ ایمان و نجات قرار دینے لگا تھا جیسا کہ

---

[1] القرآن [2] تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۰۴ [3] حوالۂ بالا۔

سیل صاحب لکھتے ہیں :-

"گرجا" کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن، محبت و نیکی کو مفقود کر دیا تھا۔ اصل مذہب بھول گئے تھے اور اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے۔ اسی تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو "رومن چرچ" کے لئے باعثِ ننگ ہیں، مذہبی صورت میں قائم کئے گئے خصوصاً ولیوں اور مجسموں کی پرستش نہایت بے شرمی سے ہونے لگی تھی ....

.... بادشاہوں اور پادریوں میں عقاید و اخلاق کی جو خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت متنزل ہوگئی تھی اُن کا مقصد روپیہ پیدا کرنا خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست و عیاشی میں اڑاتے تھے۔" [۵۱]

مضحکہ انگیز فرقہ بندی وگروہ بندی تھی

فرقہ بندی و گروہ بندی ایسی ایسی باتوں پر ہوتی تھی کہ مہذب دنیا اُن کا مذاق اڑاتی اور تمسخر کرتی تھی۔ مثلاً عیسائی پادریوں کی یہ بحث کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیشاب پاک تھا یا ناپاک تھا نیز یہ کہ آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جو دسترخوان (مائدہ) آیا تھا اُس میں خمیری روٹی تھی یا فطیری (غیر خمیری) وغیرہ۔ [۵۲]

مذہب نے انسان کو جامد اور ناترقی پذیر قرار دیدیا تھا

مذہب نے انسان کو جامد اور ناترقی پذیر قرار دیدیا تھا جس کی بناء پر ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی بڑی حد تک رُکی ہوئی تھی اور جن لوگوں نے علم و فن کی ترقی میں حصہ لیا اُنھیں نہ صرف یہ کہ مذہب کی بارگاہ سے ملعون و مردود قرار دیا گیا بلکہ سخت سے سخت سزاؤں میں مبتلا کیا گیا تھا۔ مثلاً :-

"وینی نی" مسئلہ ارتقاء پر ایمان رکھتا تھا اُس کی زبان کاٹ لی گئی اور زندہ آگ میں جھونک دیا گیا۔

"ہیپاشیہ" افلاطون کی تصانیف کی مشہور مفسرہ تھی اس کو اس پاداش میں جان دینی پڑی۔

---

[۵۱] سیرۃ النبی ج ۴ ص ۲۲۶ [۵۲] عروج و زوال کا الٰہی نظام۔

"کوپرنیکس" نے زمین کی گردش اور آسمان کا ساکت ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی تو اُس کو نوخیز منجم کا خطاب ملا اور بالآخر ذلت وخواری کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوا۔

"برونو" جو "کوپرنیکس" کے نظریہ کی حمایت کرتا تھا اس کو گرفتار کرکے سات سال قیدخانہ میں ڈالا گیا اور پھر دھیمی آگ میں ڈال کر موت کا مزہ چکھایا گیا۔

"گلیلو" جس نے حرکتِ زمین کے نظریہ کی حمایت کی اُس کو تنگ وتاریک کوٹھڑی میں ڈال کر عبرتناک سزا دی گئی اور مجبور کیا گیا کہ درجِ ذیل الفاظ کے مطابق اپنے معتقدات کی تردید کرے۔ الفاظ یہ ہیں:-

"میں کہ "گلیلو" سترویں سال کی عمر میں بحیثیت ایک قیدی تقدس مآب کے روبرو دوزانو ہوتا ہوں اور مقدس انجیل کو اپنے گلے لگاتا ہوں۔ حرکتِ ارض کی غلطی تسلیم کرتا ہوں اور الحاد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا اور اظہارِ لعنت کرتا ہوں۔"

اس تردید کے باوجود اُس کی جان بخشی نہ کی گئی بلکہ "مقدس محکمۂ احتساب" نے زندگی بھر کے لئے اس کو جلاوطن کردیا۔"

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو علم وفن کی ترقی کے ساتھ پیش آئے تھے۔ دراصل مروّجہ مذہب اس قابل نہ رہ گیا تھا کہ علمی وتمدنی ترقی کا ساتھ دیکر اس کی پُشت پناہی کرے اس بنا پر شدید خطرہ تھا کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو "بائبل" (مقدس الہامی صحیفہ) کی تعلیمات بھی علم وتحقیق کی کسوٹی پر کسی جائیں گی اور بالآخر "خود ساختہ مذہب" کے تمام "تاروپود" بکھر جائیں گے۔

مذہب نے انسانی اور معاشرتی خرابیوں کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا تھا

مذہب نے انسانی اور معاشرتی کمزوریوں اور خرابیوں کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا تھا نیز زندگی کی جدوجہد سے گریز کی تعلیم دیتا اور اقتصادی عدم توازن کی پشت پناہی کرکے طبقاتی کشمکش کی رہنمائی کرتا تھا اس طرح پورے معاشرہ پر عیش وعشرت کی ذہنیت مسلط ہوگئی تھی چنانچہ

"گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں مغربی یورپ میں تقریباً نصف جاگیردار چرچ کے نمائندے تھے"

جب جاگیرداری مٹنے لگی تو مذکورہ ذہنیت نے سرمایہ داری کی بھیانک شکل اختیار کر لی تھی اور سرمایہ دار و مذہبی رہنما دونوں متحد اور انسانیت کی تذلیل میں دونوں حصہ دار بن گئے تھے۔ پھر ان دونوں کی عیش پرستی و خود غرضی نیز طبقاتی کشمکش نے صداقت و اخلاص اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر (جن کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے) فنا کر دیئے تھے۔ لوگوں میں خست و دنائت سرایت کر گئی تھی اور اعمالِ صالحہ و اخلاقِ فاضلہ سے اعراض کرنے لگے تھے۔"

الغرض زمانۂ وسطیٰ میں یورپ کی اس حالت اور زندگی میں مذہب کے اس کردار سے انسانیت لرزہ براندام اور ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی بڑی حد تک رُکی ہوئی تھی۔ یہ زمانہ ۴۷۶ء سے تقریباً ۱۴۹۵ء تک شمار ہوتا ہے۔

مذہب کی مذکورہ حالت کسی ایک مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

مذہب کی مذکورہ حالت کسی ایک مذہب یا اس کے ماننے والے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مذکورہ دور سے جو مذہب بھی گذرتا ہے مختلف عوارض و حوادث کی وجہ سے نوعی و کیفی تبدیلی کے ساتھ بڑی حد تک اسی قسم کی باتیں اس کے نام پر رواج پا جاتی ہیں اور پھر دین و ایمان کا سارا زور انھیں باتوں پر صرف ہونے لگتا ہے۔ بظاہر اس دور میں نہ دماغ معطل ہوتا ہے اور نہ ہی علم و ادب پر پابندی نظر آتی ہے لیکن تنگ و محدود خیالات زمانہ کی رفتار کا ساتھ نہ دے سکنے کی وجہ سے پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

چونکہ نشاۃِ ثانیہ کی تحریک۔ نئے دور کا آغاز۔ لامذہبی دور کی بنیاد اور اس کی نمود وغیرہ کا زیادہ تعلق "یورپ" سے وابستہ ہے، اس بنا پر وہیں کے حالات بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

تحریکِ نشاۃِ ثانیہ

تحریکِ نشاۃِ ثانیہ اور اسلام کا احسان

یہ تحریک چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہو کر تقریباً سولہویں [16] صدی تک شمار کی جاتی ہے۔ اس اثنا میں مذہب کی اصطلاح کی طرف بھی توجہ ہوئی اور قدیم علوم و فنون جو متروک ہو چکے تھے از سرِ نو زندہ کئے گئے اور ان میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔

بلا شبہ بڑی حد تک یہ تحریک مسلمانوں اور اسلامی تعلیمات کی مرہونِ منت ہے۔ صلیبی جنگوں اور "اندلس" وغیرہ کے علمی مراکز سے یورپ کو استفادہ کا کافی موقع مل چکا تھا۔ چنانچہ "جان ڈیون پورٹ" نے لکھا ہے:۔

"تمام علوم مثلاً طبی۔ نجوم۔ فلسفہ اور ریاضی وغیرہ جو چودھویں صدی عیسوی سے یورپ میں رائج ہوئے وہ سب کے سب عربی مدارس سے ماخوذ ہیں، اس بنا پر "ہسپانیہ" کو یورپی فلسفہ کا "موجد" تسلیم کرنا چاہیئے۔" [1]

علم و حکمت کی تعلیم میں رواداری کی مثال "رینان" نے یہ بیان کی ہے کہ:۔

"عیسائی۔ یہود، مسلمان سب ایک ہی زبان بولتے تھے۔ ایک ہی نغمہ گاتے تھے اور ایک ہی ادبی و سائنٹیفک مسندِ درس کے حاشیہ نشین تھے وہ تمام قیود جن کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے جُدا رہتے تھے وہ یک لخت اُٹھا دیئے گئے تھے اور سب کے سب متفق ہو کر مشترکہ تمدن کی بنیاد ڈالنے میں مصروفِ جدّوجہد تھے۔ "قرطبہ" کی مسجدیں جن میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ رہتے تھے، وہ اس علم و حکمت کا مرکز بن گئی تھیں"۔ [2]

"گسٹو ورکس" نے صراحۃً اعتراف کیا ہے کہ:۔

"یورپ" سائنٹیفک انکشافات میں اسلام کا ممنون ہے، اسلام ہی کے طفیل علمارِ سائنس بیکن، نیوٹن وغیرہ لوگ پیدا ہوئے اگر مسلمانوں نے کاغذ، بارود، قطب نما اور دیگر آلاتِ ترقی کو رواج نہ دیا ہوتا تو یورپ کی سائنس اور تہذیب کی چودہ سو برس پہلے جو حالت تھی وہی آج ہوتی"۔ [3]

مشہور مورخ اے۔ جے۔ گرانٹ نے کہا ہے کہ "یورپ کی تاریخ میں ہسپانی مسلمانوں کے تمدن کی تباہی سے دردناک کوئی واقعہ نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے یورپ کے تمدن میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے اور اگر تباہ نہ ہوتے تو اس میں اور اضافہ کرتے"۔ [4]

---

[1] عروج و زوال کا الٰہی نظام صـ ۱۶۲ [2] حوالہ بالا صـ ۱۶۲ [3] ایضاً [4] تاریخ یورپ صـ ۴۳۶

مذہبی اصلاح اور چند اہم شخصیتیں | مذہبی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے والے چند اشخاص یہ ہیں :۔

(۱) جان وکلف "John Wycliffe" چودھویں صدی عیسوی میں "آکسفورڈ یونیورسٹی" میں دینیات کی تعلیم دیتا تھا یہ مروّجہ مذہب عیسائیت پر سخت نکتہ چینی کرتا تھا "پوپ" نے اس جرم میں اس کو برادری سے خارج کرکے تعلیمی ذمہ داریوں سے سبکدوش کردیا تھا۔

(۲) "ایرِسمس" Erasmus نے کلیسا کی خرابیوں کو بے نقاب کیا اور ایک کتاب "حماقت کی تعریف" "The Praise of Folly" لکھی جس میں اس نظام پر حملہ کرکے پوپ کے وقار کو سخت نقصان پہونچایا۔

اس کا زمانہ ۱۴۶۶ء سے ۱۵۳۶ء ہے۔ یہ شخص "ہالینڈ" میں پیدا ہوا تھا لیکن زندگی کا بیشتر حصہ فرانس، انگلستان، اٹلی اور جرمنی میں گذرا ہے۔

(۳) مارٹن لوتھر "Martin Luther" نے مذہبی اصلاح کی سب سے زیادہ کوشش کی۔ یہ ۱۴۸۳ء میں جرمنی میں پیدا ہوا اور ۱۵۴۶ء میں وفات پائی۔

"کلیسا" اور "لوتھر" کے درمیان اہم بنائے نزاع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے؟ اللہ کی کتاب یا پوپ کا اجتہاد؟ اور اللہ کی کتاب اس لئے ہے کہ پڑھی اور سمجھی جائے یا اس لئے ہے کہ سب کچھ "پوپ" پر چھوڑ دیا جائے۔ نزاع کی ابتدا نجات کے مسئلہ سے ہوئی تھی کہ نجات کا مدار ایمان پر ہے یا پوپ کی سندِ مغفرت پر؟

مصلحین اور ترقی یافتہ لوگوں کی سزا کے لئے محکمۂ احتساب کا قیام | ان مصلحین کو حسبِ دستور طرح طرح ستایا گیا، برادری سے خارج کیا گیا اور ناپاک و مردود قرار دیا گیا لیکن بالآخر ان کی کوششیں بارآور ہوئیں اور "جرمنی" میں "پروٹسٹنٹ" فرقہ کی بنیاد پڑی جو "کیتھولک" فرقہ سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ اس کی اشاعت یورپ کے دیگر ممالک میں خوب ہوئی اور اب یورپ و امریکہ کے اکثر و بیشتر ممالک اسی فرقہ کے مقلد ہیں۔

اس فرقہ کے وجود میں آنے کے بعد کلیسائی نظام میں بعض اصلاحات ضرور ہوئیں لیکن مذہب کے نام پر فرقہ وارانہ خونریزی کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، جب "کیتھولک" مذہب والے برسرِ اقتدار آتے تو "پروٹسٹنٹ" والوں کا خون بہاتے اور جب "پروٹسٹنٹ" والے برسرِ اقتدار آتے تو وہ "کیتھولک" والوں کے خون سے ہولی کھیلتے تھے

"پوپ" نے اس نئے فرقہ کو سزا دینے کے لئے محکمۂ احتساب قائم کیا۔ یہ محکمہ ایک خاص مذہبی عدالت تھی جو خاص مقصد کے لئے سنہ ۱۴۸۱ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس سے پہلے "ہسپانیہ" میں "قسطیلہ" کے مقام پر سنہ ۱۲۹۰ء میں بھی یہ عدالت قائم ہو چکی تھی۔

اس عدالت میں دو قسم کے مجرم پیش ہوتے تھے۔

(۱) پوپ کی طریقِ زندگی اور اُس کے مذہب سے مخالفت کرنے والے۔

(۲) مروجہ مذہب کے خلاف علمی و تمدنی ترقی میں حصہ لینے والے۔

چنانچہ اس "محکمہ" نے چند سال کے عرصہ میں نہ صرف یہ کہ مذہبی اصلاح و علمی و تمدنی ترقی کی راہوں کو بڑی حد تک مردود و ملعون قرار دیا بلکہ ہر دو قسم کے ہزاروں مجرموں کی جان نہایت وحشیت و درندگی کے ساتھ لی۔ انہیں برادری سے خارج کیا گیا، زندہ آگ میں جلایا گیا، قتل کیا گیا۔ غرض ہر قسم کی عبرتناک و وحشتناک سزائیں دی گئیں۔

مذہبی اصلاح کے مجموعی اثرات خوش قسمتی سے اس اصلاحی تحریک کو ایک ایسا دور نصیب ہوا جس میں "یورپ" زوال کی انتہائی منزلوں سے گذر کر مائل بہ عروج تھا اور اس کی اندرونی قوتیں رو بہ اصلاح ہو کر قدیم افکار و احساسات اور تصوراتِ زندگی وغیرہ سب "تجدید" کے خواہاں تھے اس بنا پر بحیثیتِ مجموعی بڑی حد تک اس کے خوش آیند اثرات ثابت ہوئے ہیں بلکہ بعض "مصنفین" نے تو یہاں تک تسلیم کیا ہے کہ "یورپ" کی تمام تر ترقیاتی تحریکوں کی بنیاد مذہب ہے۔

چنانچہ "ڈلنفائی" نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جرمنی۔ انگلستان اور فرانس وغیرہ کی علمی و فلسفیانہ تحریکات کی نشو و نما میں مذہب ہی کار فرما تھا اور مغرب کی جدید روح ایک وسیع مذہبی تصور ہے۔

"نظریۂ ارتقاء" کے بارے میں بھی بعضوں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد مذہبی تصور پر قائم ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف "ارتقاء" ہے اور سب سے اعلیٰ خدا ہے [1] (اس کی تفصیل آگے آئے گی)

اس نظریہ میں مذہبی تصور مان لینے سے یہ شبہ ضرور ہوتا ہے کہ جب انسان ابتدائی حالت میں

---

[1] مقدمہ پسنالوزی کا فلسفۂ تمدن و تعلیم۔

حیوان تھا تو کیا اس وقت بھی اس میں مذہبی جذبہ موجود تھا؟

لیکن اس کا جواب ماہرینِ نفسیات نے یہ دیا ہے کہ مذہبی جذبہ کا تعلق کسی ایک جذبہ کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یہ چند جبلّتوں کے آپس میں امتزاج اور عمل کا نہایت پیچیدہ اور عجیب و غریب نتیجہ ہے۔ ان چند جبلّتوں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مذہبی نوعیت کی ہوں کیونکہ دو یا چند چیزیں جب الگ الگ رہتی ہیں تو اُن کے خواص و اثرات مختلف ہوتے ہیں اور جب مل جاتی ہیں تو اُن کے خواص و اثرات میں یکسر تبدیلی ہوجاتی ہے۔

جس طرح دو متضاد وصف کے آپس میں اشتراک و امتزاج سے ایک تیسرا وصف پیدا ہوجاتا ہے جو ان کی انفرادی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اس بناء پر مذکورہ جبلّتیں اگرچہ مذہبی نوعیت کی نہ تھیں لیکن بتدریج ترقی سے تاثیر اور تاثر کا جو عمل ان میں ہوا اُس کے نتیجہ میں مذہبی جذبہ نمودار ہوکر انسان کی جبلّت میں داخل ہوگیا۔

"یورپ" کے اکثر مصنفوں نے لکھا ہے کہ مذہبی جبلّت انسان کی اساسی صفتوں میں داخل ہے اور ڈاکٹر "رینان" نے کہا ہے کہ مذہبی جبلّت انسان میں ایسی ہی فطری ہے جیسے چڑیوں میں "گھونسلا" بنانے کا جذبہ فطری ہے۔ [1]

نٹشے۔ کانٹ۔ پستالوزی وغیرہ فلسفی نہایت وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ نفسِ انسانی کا جوہر مذہبی احساس ہے اور تمدنی زندگی کے لئے مذہب بمنزلۂ روح کے ہے۔ [2]

اصلاح میں بنیادی خامیاں اور کمزوریاں اصلاح شدہ مذہب کے مذکورہ وسیع اثرات مسلّم ہوں یا نہ ہوں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس میں درجِ ذیل قسم کی خامیاں اور کمزوریاں موجود تھیں۔

(۱) زندگی کے ان "تاروں" کو چھیڑنے میں یقیناً ناکام رہا تھا جو عقل کو جذبات پر فتحمند بناتے ہیں۔

(۲) ایمان و وجدان کی وہ کیفیت پیدا کرنے میں بے بس تھا جو غیر شعوری طور پر حقیقت کا احساس کرا کے اس تک پہونچاتی ہے۔

---

[1] معاشرتی نفسیات ص ۸۵ [2] پستالوزی کا فلسفہ ص ۱۸۵۔

(۳) پامال شدہ مذہب کی اصلاح اصولِ فطرت کے مطابق نہ کی گئی تھی اور نہ ہی اصولِ فطرت کے مطابق اس کو بنانے کی کوشش ہوئی تھی۔

(۴) اجتماعی اور تمدنی مسائل کے مثبت پہلو سے اس کا تعلق نہ جوڑا گیا تھا۔

(۵) عقل و قلب کا "آمیزہ" نہ تیار ہوا تھا کہ اس کی رہنمائی میں زندگی کے مسائل حل کئے جا سکتے۔ اور نہ ہی دین و دنیا میں صحیح توازن برقرار رکھنے کی کوشش ہوئی تھی۔

دراصل یہ اصلاح نہایت محدود تھی اور اس کا بیشتر حصہ "پوپ" کے خلاف صدائے احتجاج پر مبنی تھا اور ردِّ عمل کے طور پر چند خرابیوں کے دور کرنے ہی میں اس کا اثر ظاہر ہوا تھا۔ مثلاً "پوپ" کی غلامی کا جوا اُتار پھینکا گیا تھا۔ گرجوں سے حضرت مریم و عیسیٰ علیہما السّلام کے "بت" نکالے گئے تھے اور اسی قسم کے دوسرے مسائل جو مذہب کے نام سے غلط طریقہ پر رائج تھے جن کا تمدنی و اجتماعی مسائل کے مثبت پہلو سے زیادہ تعلق نہ تھا۔

ان خامیوں اور کمزوریوں کے متعلق تاریخی شہادتیں

ان کمزوریوں اور خامیوں کا ثبوت درجِ ذیل تاریخی تصریحات میں ملتا ہے۔ یہ تحریک لسانی اور نسلی تفریق مٹانے میں ناکام رہی تھی نیز اصولِ فطرت کے مطابق اجتماعی و تمدنی مسائل مرتب و مدوّن نہ کر سکی تھی چنانچہ:۔

"مذہب پروٹسٹنٹ اوّل اوّل ایک بڑے اخلاقی انقلاب کا خارج میں رونما ہوتا تھا یعنی بعض لوگوں کی دینی اور اخلاقی فطرت نے بدعت آلود مذہب اور ناشائستہ و ناقابلِ اصلاح رواج کے خلاف سر اُٹھایا اور چونکہ اس کی بنا ر انکار و تردید پر تھی۔ لہٰذا جب تک اس کا کام کلیتہً بربادکن تھا اس وقت تک اس کا بڑا زور شور رہا۔ اخلاقی سُقم دُور کرنا اور ایک ایسے مذہب پر جس کے اصول کی تعریف غلط کی گئی تھی یورش کرنا ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں حق کے واسطے مذہبی جنگ کا جوش و ولولہ جوش زن تھا نہایت آسان تھا لیکن جب اس کی باری آئی کہ وہ خود اپنا آئین وضع کرنے اور اپنے اصول قرار دینے اور حقیقت کی تشریح کرنے کی کوشش کرے تب اس کی کمزوری نمایاں ہوگئی۔" ایک اور موقع پر ہے:۔

"تھوڑے عرصہ میں اس مذہب کے دو فرقے ہو گئے جو لوتھر اور کالوین کے نام سے منسوب کئے گئے اور ان دونوں میں ایسی پھوٹ پڑی کہ یہ ظاہر ہوگیا کہ ہر فرقہ کا رجحان مزید قیود اور مزید تفریق کی طرف ہے۔" ص ۴۴۔

"یہ تحریک بھی مختلف اور پیچیدہ اسباب پر مبنی تھی ایک حد تک نسلی تفریق نے اثر دکھایا کہ رومی زبان (اطالوی۔ فرانسیسی۔ ہسپانوی اور پرتگالی) بولنے والی قومیں اور سلافی نسل کے لوگ عموماً کچھ توقف کے بعد علانیہ پروٹسٹنٹ مذہب کے خلاف ہو گئے۔" ؎۱

کسانوں اور مزدوروں پر مظالم میں اس تحریک نے حکومت اور امراء کا ساتھ دیا تھا جس کی بنا پر عوامی مقبولیت باقی نہ رہ سکی تھی۔ چنانچہ :۔

"لوتھر" نے (مظالم کے خلاف صدائے احتجاج کے زمانہ میں) کسانوں کی مخالفت سخت تحریروں اور تقریروں سے کی اس نے امراء سے مطالبہ کیا کہ اس شورش کو سختی سے فرو کیا جائے حتیٰ کہ ظلم کرنے سے بھی اُس نے منع نہیں کیا ...... کسانوں نے لوتھر سے امداد چاہی تھی مگر اُس نے بجائے مدد کرنے کے اُن کی مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی تحریک کی عام مقبولیت باقی نہ رہی۔ اس زمانہ سے لوتھر کو متوسط اور منفقر طبقہ کے بھروسہ پر کام کرنا پڑا اور اس کی تحریک حکومت سے وابستہ ہوگئی اس کے بعد سے یہ خصوصیت ہمیشہ قائم رہی۔ ؎۲

رفتارِ زمانہ کے مطابق تعلیم و تعلّم کے انتظام میں ناکامی رہی تھی۔

"مذہب پروٹسٹنٹ گو تجدید علم سے پیدا ہوا تھا لیکن ان مطالبات کی پیاس نہ بجھا سکا اُس نے علماء تیار کئے لیکن عوام کی واسطے کچھ نہیں کیا تھا۔ ؎۳

عوامی فلاح و بہبود کا پروگرام نہ ہونے کی بنا پر عوامی طبقہ کی جانب سے سخت قسم کا ردِ عمل شروع ہوگیا تھا۔

"لوتھر نے عوام کے بہ نسبت رؤسا اور شہزادگان سے زیادہ قریبی تعلقات قائم کئے اور ابتدائی معرکوں میں اُس نے انھیں سے حفاظت و مدد کی التجا کی اور آخری ایام میں انہیں پر پورا اعتماد

؎۱ عروج فرانس مصنفہ اتیچ۔ او۔ ڈیگمن ایم اے ؎۲ تاریخ یورپ مصنفہ اے۔ جے گرانٹ ص ۵۰۲ ؎۳ عروج فرانس ص ۵۹

کیا...... یورپ میں پروٹسٹنٹ مذہب کے خلاف ردِ عمل سولھویں صدی کے سنینِ آخر میں رونما ہونے لگا تھا۔ تمام بڑی مذہبی اور ملکی تحریکوں کی طرح یہ تحریک بھی مختلف اور پیچیدہ اسباب پر مبنی تھی۔ [۱]

یہ اصلاح چند مراسم و اعمال تک محدود تھی نہ زندگی کے لئے کوئی واضح نصب العین دیا تھا اور نہ ہی اندرونی تبدیلی کے ذریعہ اخلاق و کردار کا معیار مقرر کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ چنانچہ

"مذہب کا معاشرت میں اتنا دخل تھا کہ مذہب میں کسی قسم کا خلل لازماً معاشری و سیاسی حالت میں بھی خلل انداز ہوتا تھا اور لوتھر اس سے بہت بچنا چاہتا تھا۔" [۲]

اسی کوتاہی کا نتیجہ تھا کہ مخالفین کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ:۔

"لوتھر کی تعلیم سے آوارگی اور بداخلاقی کا اثر ہو گیا تھا اور "کاتھولیکیت" کے اخلاقی معیار کی اصلاح نہ ہوئی تھی" [۳]

اصلاحِ مذہب کی دوسری اہم تحریکیں | اس دور (سولھویں صدی) میں مذہبی اصلاح کے نام سے اور بھی کئی تحریکیں اٹھیں اور اپنے اپنے حلقہ میں ایک حد تک اُن کا اثر بھی ظاہر ہوا۔ مثلاً

(۱) زوینگلی "ZWINGLI" تحریک (۲) کیلونی "CALUINI" تحریک (۳) کیتھولک فرقہ کی بکر ربیداری جو "اصلاحِ معکوس" یا رزمن کیتھولک ردِ عمل کے نام سے مشہور ہے (۴) یسوعی سلسلہ کا قیام وغیرہ۔

لیکن بنیادی حیثیت سے یہ سب ایک دوسری تحریک کے عمل و ردِ عمل کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی تھیں اور "عنائے ربانی" جیسے حقائقِ زندگی سے غیر متعلق مباحث سے اپنا دامن چھڑانے میں کامیاب نہ ہوئی تھیں پھر بھی بحیثیتِ مجموعی ان کے مفید اثرات سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

ان "تحریکوں" کے فروغ میں مقامی سیاسی حالات اور قومی و طبقاتی مفاد کو کافی دخل ہے۔ اگر یہ حالات سازگار نہ ہوتے تو شاید تاریخ میں ان کو وہ مقام نہ حاصل ہوتا جیسا کہ اب ہے۔ البتہ کیلونی تحریک میں نسبتہً

---

[۱] عروجِ فرانس ص ۱۱۰ و ۱۱۱ [۲] تاریخ یورپ اے۔ جے۔ گرانٹ [۳] حوالہ بالا

زیادہ خصوصیات ملتی ہیں مثلاً

(۱) اس تحریک میں ضبطِ اخلاقی پر زیادہ زور تھا اور اخلاق کے احتساب و نگرانی کے لئے محکمہ بھی قائم ہوا تھا۔

(۲) کلیسہ کی حکومت ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں تھی جو پادری اور عوام دونوں پر مشتمل تھی حکمراں جماعت میں چھ پادری اور بارہ اکابرِ قوم ہوتے تھے۔

(۳) "کیالون" کی تعلیم کے مطابق کلیسہ اور حکومت دو علیحدہ چیزیں تھیں۔ سلطنتِ کلیسہ کے معاملات میں دخل دینے کا مجاز نہ تھی وغیرہ۔[1]

یہ تفریق "لوتھر" کے آخری زمانہ میں لوتھری کلیسہ میں بھی ملتی ہے گویا اس طرح نشاۃِ ثانیہ میں رفتہ رفتہ سیاست کے علیحدگی کی راہیں ہموار ہو رہی تھیں۔

نشاۃِ ثانیہ کے دیگر اجزاء: ایک طرف مذہب کی یہ کمزوریاں اور خامیاں تھیں اور دوسری طرف نشاۃِ ثانیہ کے دیگر اجزاء درجِ ذیل قسم کے نمودار ہو رہے تھے۔

(۱) نشاۃِ ثانیہ کی تحریک نے ذہنی و فکری حدِ نظر کو وسعت دے کر دلوں میں علمی شوق کا جذبہ موجزن کر دیا تھا۔ لیکن صرف دنیوی زندگی کو مقصود بنا کر اس کی چیزوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور تلذذ حاصل کرنے کا جذبہ بھی پیدا کر دیا تھا۔

(۲) زمانۂ وسطیٰ کے لوگوں کو یونانیوں کی حریت، حُسن پرستی اور عیش و طرب کی زیادہ خبر نہ تھی لیکن جب اس تحریک کی وجہ سے علومِ قدیمہ کے معلومات نے وسعت حاصل کی تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس کوشش میں لگ گئے کہ عیش و عشرت کے اس زمانہ کو پھر واپس لانا چاہیئے۔

(۳) فنونِ لطیفہ کے مطمحِ نظر میں انقلاب پیدا ہو گیا اور قدیم یونانیوں اور رومیوں کے بنائے ہوئے مجسموں کی طرف رجحان ہوا جس کی بنا پر "مصوّر" قدیم طرز کے مطابق حُسن و لطافت کی تصویریں کھینچنے لگے اور شکیل مردوں اور حسین عورتوں کی تصویریں اس طرح دکھائی جانے لگیں کہ وہ اس دنیا کے عیش و

[1] حوالہ بالا۔

عشرت میں مشغول ہیں۔

(۴) نظامِ جاگیرداری کے زوال نے ایک نئی قسم کی شہری زندگی پیدا کر دی اور نظامِ معاشرت کو نئے انداز میں تشکیل دیا جس کی بنا پر ربط و ضبط کی نئی نئی صورتیں پیدا ہوئیں جن میں ٹی پارٹیاں، جلسے رقص و سرود کی محفلیں اور فنونِ لطیفہ کی عریاں نمائش وغیرہ شامل ہیں۔

(۵) عالمِ فطرت کا مطالعہ ایسے دور میں کیا گیا جبکہ بلند نصب العین کے ماتحت اعلیٰ پیمانہ پر سیرت کی تشکیل کا کوئی واضح نقشہ موجود نہ تھا نیز فکر و عمل کے صحیح حدود متعین کرنے اور عقل و ہوس کے غلو سے اجتناب کے لئے کوئی موثر زاویۂ نگاہ سامنے نہ تھا۔

(۶) زمانۂ قدیم کے علمی ذخیرہ کو بڑی محنت و جانفشانی سے برآمد کیا گیا اور اس میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔

(۷) تعلیم و تعلم کا سلسلہ تمام ان چیزوں تک وسیع کر دیا گیا جن کا نفسِ انسانی سے تعلق تھا۔ پہلے تعلیم صرف مذہبی علوم تک محدود تھی۔

(۸) صنعت و حرفت اور تجارت کی ازسرِ نو تشکیل ہوئی اور جفاکش جہازرانوں کی محنتِ شاقہ سے تجارت کی نئی نئی منڈیاں دریافت ہوئیں جن کا پہلے تصور بھی نہ کیا جاتا تھا۔

(۹) نئی نئی ایجادات اور علم و فن کے نئے نئے گوشوں کی تحقیقات شروع ہوئی، زمانۂ وسطیٰ میں علمِ طبعیات کا مطالعہ جادو سیکھنا تھا اور مطالعہ کرنے والوں کا تعلق بھوت پلید سے جوڑا جاتا تھا اس دور میں اس قسم کے تمام علوم کی طرف توجہ کی گئی۔

(۱۰) چھاپہ خانہ اور بارود کے استعمال سے معاشرتی زندگی میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا۔ چھاپہ سے علم کی اشاعت کثرت سے ہونے لگی اور وہ خیالات جو پہلے عالموں اور امیروں تک محدود تھے اب عام طور پر ان کی اشاعت ہونے لگی اور بارود کے استعمال سے مستقل فوجی ملازمت کی بنیاد پڑی۔ پہلے کی طرح خود امرار کی فوج کی چنداں ضرورت نہ باقی رہی۔

(۱۱) بادشاہ اور امرار کا اقتدار دن بدن گرنے لگا کیونکہ فوج اور حصولِ دولت کا ذریعہ) زمین کی بدولت ان کا اقتدار قائم تھا۔ اب دیگر ذرائع آمدنی کی فراہمی سے زمین کی پہلے جیسی اہمیت نہ باقی رہی اور مستقل

فوجی ملازمت سے سابقہ فوج کی حیثیت میں کمی آگئی۔

(۱۲) بحری اسفار کا سلسلہ شروع ہوا اور یورپی نوآبادیات کی بنیاد پڑی وغیرہ وغیرہ۔[۱]

مروّجہ مذہب ان اجزار کی صحیح رہنمائی کی صلاحیت نہ رکھتا تھا

ظاہر ہے کہ یہ نئی دنیا تھی جس کے نئے خیال و نئے افکار، نئے جذبات و نئے احساسات تھے اس کی رہبری کے لئے ایسے "مذہب" کی ضرورت تھی جو محدود نہ ہو بلکہ "عالمِ انفس" میں تبدیلی کے ذریعہ اُس کی تعلیمات عالمِ آفاق کے تمام شعبوں پر حاوی ہو۔ وہ اصولِ فطرت کے مطابق اور خود مطالعۂ فطرت کا داعی ہو نیز اجتماعی و تمدّنی تمام مسائل کو عدل و رحمت، کی فضار میں حل کرتا ہو۔

لیکن بدقسمتی سے مختلف عوارض کی بنار پر اس نئی دنیا کو یہ مذہب نہ میسّر آسکا اور جس مذہب کو اس نے ساتھ لیا وہ اپنی سطحیت اور تنگ دامنی کی وجہ سے رہبری کے فرائض انجام دینے میں ناکام رہا۔ چنانچہ اس کی تائید درجِ ذیل تاریخی شہادت سے ہوتی ہے۔

"علومِ قدیم کے احیار سے اہلِ یورپ کے دماغ پر گہرا اثر ہوا۔ اس کے مطالعہ سے انہیں معلوم ہوا کہ مسیحیت کے غلبہ اور عروج سے قبل ایسے تمدّن موجود تھے جو محاسنِ ظاہری و باطنی سے مزیّن تھے اور اہلِ یورپ فلسفہ و اخلاق کے ایسے تخیلات سے دوچار ہوگئے جو راسخ مسیحیت سے متغائر تھے۔ انجیل کی اصلی زبان (یونانی) سے واقف ہونے سے "احتجاجیت" (Protestantism) کے زمانۂ ابتدائی کے مناظرین کو ایک کارآمد ہتھیار مل گیا علاوہ ازیں ان علوم کے پڑھنے سے یورپ کو حُسن اور حقیقت کا ایک خزانہ مل گیا اور زمانۂ حال کے فلسفے اور سائنس کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جو اس احیائے علمی سے متاثر نہ ہوا ہو۔ یورپ میں ایک نیا ضمیر پیدا ہوگیا تھا اور اب قریب تھا کہ وہ قرونِ وسطیٰ کی زنجیریں توڑ کر آزادی حاصل کرے۔"[۲]

(باقی)

---

[۱] تاریخ یورپ جلد اوّل و دوم مصنفہ آیور تھیچر صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی اور فرڈ نینڈ شیول صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔

[۲] تاریخِ یورپ مصنفہ اے۔ جے گرانٹ ص ۷۷ ۴۔